اردو کے علامتی افسانہ نگار: رتن سنگھ

محمد شاکر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو

گورنمنٹ کالج، سوائی مادھو پور، راجستھان

ملخص

رتن سنگھ عہد حاضر کے فکشن نگاروں میں اپنا منفرد اور مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے کیا جو کہ شاید ان کا اصل میدان نہیں تھا اور جلد ہی اردو افسانہ نگاری کی طرف رُخ کر لیا۔ رتن سنگھ نے اردو میں افسانے، افسانچے، ناولٹ کے علاوہ شاعری میں نظمیں اور دوہے لکھے ہیں۔ انہوں نے پنجابی زبان کے افسانوں، ناولوں، شلوکوں، گیتوں اور نظموں کے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ اردو کے علاوہ پنجابی اور ہندی میں بھی کئی تصانیف لکھی ہیں۔ رتن سنگھ نے اردو نثر اور شاعری دونوں میں اپنی آپ بیتی ''دربدری' اور ''ہڈ بیتی'' کے نام سے لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی کئی کہانیاں اور افسانے مختلف کلاسوں، اداروں، اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہے۔ ان کی نظمیں اور دوہے بھی ہندوستان کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

رتن سنگھ کے یہاں افسانہ نگاری کی ایک نئی تکنیک اور منفرد اسلوب ہے جو انہیں دوسرے افسانہ نگاروں سے الگ کرتا ہے۔ اختصار و جامعیت ان کے افسانوں کا محور ہے۔ ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خصوصیت علامت نگاری ہے۔ تقسیم کے درد اور ہجرت کے کرب نے ان کے خیال وافکار میں نئی تبدیلیاں پیدا کر دی۔ جس کا عکس ان کی تمام تر تصنیفات اور تخلیقات میں نمایاں نظر آتا ہے۔ زندگی کے تلخ حقائق کے ادراک وفہم نے ان کے فن کو روشنی اور دلکشی بخشی ہے۔

رتن سنگھ کا انداز بیان ایسا ہے جو آسانی سے قاری کو سمجھ آ جاتا ہے۔ ان کے افسانوں کی زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ حالانکہ ان کی زبان پر پنجابی کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ ان کے افسانے

پڑھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی باتوں کو اپنی تخلیقی صلاحیت کی بنا پر افسانوی رنگ دینے میں ماہر ہیں۔ان کے افسانوں اور کہانیوں میں حقیقی زندگی سے تعلق رکھنے والے جیتے جاگتے انسان کردار کے طور پر نمایاں ہیں۔ان کا حساس دل اور فنکارانہ ذہن ذات پات، مذہب وملت اور رنگ ونسل کی قید سے آزاد ہے۔انہوں نے اردو فکشن میں اپنے منفرد انداز تحریر اور تخلیقات کے ذریعے تاریخ ساز اضافے کیے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ رتن سنگھ اردو افسانہ نگاری میں اپنا مخصوص مقام رکھتے ہیں۔

☆☆☆

عہد حاضر میں اردو فکشن کی دنیا میں رتن سنگھ کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ان کے زرخیز قلم سے اردو فکشن میں بے شمار اضافے ہوئے ہیں۔رتن سنگھ اردو ادب میں افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہوئے اور اپنی انفرادیت وموضوعات کی بنا پر اردو افسانے کو ایک نئی سمت ورفتار عطا کی۔جہاں تک رتن سنگھ کے افسانوی ادب کا تعلق ہے تو اس کے مطالعہ سے ہمیں رتن سنگھ کی زندگی کے گہرے مشاہدات، تجربات، انسانی نفسیات اور حالات کے اتار چڑھاؤ کا پتہ چلتا ہے۔رتن سنگھ اردو کے وہ سنجیدہ تخلیق کار اور حساس فنکار ہیں جو اپنے فکر وفن سے ہی اردو ادب میں پہچانے جاتے ہیں۔

رتن سنگھ کا شمار یوں تو اردو کے ان ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مختلف ادبی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔چاہے افسانہ نگار کی حیثیت سے ہو یا فن اور موضوع کے لحاظ سے، وہ اپنے دور کے ادیبوں میں مختلف نظر آتے ہیں۔لیکن اردو ادب میں رتن سنگھ افسانہ نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔رتن سنگھ نے اپنے افسانوں میں سماج کی خارجی حقیقتوں کے بجائے انسانی ذات کی داخلی حقیقتوں کا پتہ لگایا اور بیانیہ کی جگہ علامت نگاری کا اپنے افسانوں میں اظہار کیا۔ان کے کچھ افسانوں کو تمثیل کے پیرائے میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔کیوں کہ ان میں جا بجا جادوئی ماحول اور مافوق الفطری عناصر بھی موجود نظر آتے ہیں۔

رتن سنگھ کے ادبی سفر کا آغاز تقسیم ملک کے بعد سے ہوتا ہے جب وہ پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کی۔۱۹۵۳ء میں رتن سنگھ کی ملاقات جب رام لعل سے ہوئی تو ان کے کہنے پر کہانی اور افسانہ لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔رتن سنگھ چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنے ادبی دوستوں کی محفل میں سنایا کرتے تھے۔اس وقت انہوں

نے اپنی پہلی کہانی ''ممی تم ایک دیوار ہو'' لکھی۔ ''ہادی'' ان کی دوسری کہانی ہے جو ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''پہلی آواز'' میں شامل ہے۔ اس طرح کہانی لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور انہوں نے ایک سے بڑھ کر ایک کہانیاں لکھی۔ مگر ان کی واضح شناخت ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''پہلی آواز'' کے شائع ہونے کے بعد ہوئی۔

رتن سنگھ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں اور متعدد افسانوں کے خالق ہیں۔ اپنی ادبی زندگی کے دوران انہوں نے کثرت سے افسانے تحریر کیے ہیں ان کے افسانوں کے چھ مجموعے ''پہلی آواز''، ''پنجرے کا آدمی''، ''کاٹھ کا گھوڑا''، ''پناہ گاہ''، ''پانی پر لکھا نام'' اور ''گیارہ بجنے میں سترہ منٹ'' شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ جن سے اردو کے افسانوی ادب کے سرمائے میں خاصہ اضافہ ہوا ہے۔ رتن سنگھ نے ناولٹ بھی لکھے ہیں جن میں ''صبح کی پری''، ''اڑن کھٹولا'' اور ''سانسوں کا سنگیت'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ رتن سنگھ نے نثری خودنوشت ''در بدری'' اور ایک طویل نظم ''ہڈ بیتی'' کے عنوان سے لکھی ہیں۔ ان کے دوہوں کے دو مجموعے ''روپ انوپ'' اور ''رتی کے دوہے'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

رتن سنگھ نے کئی بہترین افسانچے تحریر کیے ہیں ان کے افسانوں کا مجموعہ ''مانک موتی'' خاص طور پر مشہور ہیں۔ انہوں نے ''بیتے ہوئے میرے دن'' کے نام سے اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ رتن سنگھ نے اردو کے مختلف کہانی کاروں اور اپنے ادبی حلقے کے دوستوں پر تخلیقی کہانیاں لکھی ہیں جو ''ایک ندی نام سرسوتی'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ان کے ساتھ ہی رتن سنگھ نے پنجابی زبان کے ناولوں، افسانوں، گیتوں، نظموں اور شلوکوں کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ پنجابی اور ہندی زبان میں بھی ان کا نثری سرمایہ موجود ہے۔

رتن سنگھ نے تقسیم ملک کے کرب کا سامنا کیا تھا اور اس کا اثر ان کی ذاتی زندگی، خیال وافکار اور تمام تر تصنیفات وتخلیقات میں نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے زندگی کی غمناکیاں بھی دیکھیں اور حالات کی مجبوریاں بھی دیکھیں۔ ان کی شخصیت پر انہیں حالات اور واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں، مکان، زمین، دوست واحباب سے بچھڑنے کا درد بھی گہرا اثر رکھتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا محسوس کیا، حساسیت کے ساتھ اپنے افسانوں میں تحریر کر دیا۔ وہ پاکستان سے

ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ظاہر ہے تقسیمِ ملک کا دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایک جگہ رتن سنگھ لکھتے ہیں :

''میری مایوسی دراصل لکھنؤ سے مایوسی نہیں تھی۔ یہ تو ملک کی تقسیم کے بعد اس زخمی انسان کی مایوسی تھی، جس سے وہ دھرتی چھن گئی تھی جہاں کبھی اس نے آنکھیں کھولی تھیں، وہ لوگ چھن گئے تھے جن سے وہ محبت کرتا تھا۔جس کے زخمی دل پر محبت کا پھاہا رکھنے والا لکھنؤ میں کوئی نہ تھا۔ایسا کوئی نہ تھا جو اُسے گلے لگائے اور اس کے غم کا شریک ہوتا۔اُسے ڈھارس بندھاتا۔''(۱)

''پہلی آواز'' رتن سنگھ کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے، جو ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔اس مجموعے میں کل ۲۷ افسانے ہیں ۔ یہ افسانے رتن سنگھ کی ابتدائی کاوشوں کا نتیجہ ہے جن میں انہوں نے اختصار اور ایجاز کے ساتھ اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔''پہلی آواز'' افسانے میں ریلوے پلیٹ فارم پر بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے والے ایک عام بچے کی کہانی پیش کی گئی ہیں۔لیکن وہ بچہ جب ایک دن محنت اور مزدوری کر کے پیسہ کماتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک نئی ہمت اور قوت کا احساس ہوتا ہے اور یہی جذبہ اس بچے کو ایک حساس، سنجیدہ اور باوقار انسان بنانے میں مدد کرتا ہے۔اس وقت اس بچے کے دل سے جو آواز نکلتی ہے، رتن سنگھ نے اسی آواز کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ایک اقتباس میں مصنف لکھتے ہیں :

''منّا نے خون سے بھری ناک اٹھا کر پہلے تو چپراسی کی طرف حسرت سے دیکھا اور پھر دوسرے لمحے مٹھی میں پکڑے ہوئے نوٹ کی طرف اسے احساس ہوا کہ یہ آواز اس کے کانوں میں پہلی بار آئی تھی۔ بالکل پہلی بار۔کوئی اسے بتا رہا تھا کہ اب وہ خود اپنے پیسوں سے بھی آم خرید سکتا ہے۔''(۲)

اس کہانی میں مصنف نے ایک بھیک مانگنے والے بچے میں محنت و مشقت کا جذبہ پیدا ہونے پر حساسیت اور خودداری کے ساتھ زندگی گذارنے پر توجہ خیال کیا ہے۔

رتن سنگھ کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''پنجرے کا آدمی'' ہے جو ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔اس مجموعے میں ۴۰ افسانے شامل ہیں۔''پنجرے کا آدمی'' تقسیم ملک کے وقت پیدا ہوئے حالات

اور واقعات کو پیش کرنے والی ایک ایسی کہانی ہے جس میں انسان کی بے بسی اور لاچاری کو موضوع خیال بنایا گیا ہے۔ وہ انسان ایسے حالات میں پھنس گیا ہے جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے آپ کو ساکت سا ایک پنجرے میں قید ہونا تصور کر لیتا ہے۔ وہ اپنے مستقبل کی زندگی کو بہتر طریقے سے جینے کی کوشش کرتا ہے لیکن ماضی کے خیالات اور تصورات اسے اس پنجرے سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اور آخر تک اسے خوش حالی اور ترقی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ ایک اقتباس میں مصنف لکھتے ہیں :

> ''یہ سنتے ہی اس کا دماغ چکرا گیا اور مارے درد کے بے ہوش ہوتے ہوئے اس نے اپنا سر پتھر کی نوک پر یوں ٹکا دیا جیسے ابدی نیند سونے کی تیاری کر رہا ہو۔ اب وہاں جھاڑیاں ہیں، پتھر ہیں، اسے نگل لیا ہو۔ اسے وہاں نہ پا کر تاروں پر بیٹھے ہوئے پرندے حیرانی سے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ آدمی کہاں گیا جوان جھاڑیوں میں پھنسا بیٹھا تھا۔''(۳)

اصل میں یہ کہانی عہد حاضر کی اس حالت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس میں انسان ترقی کی منزلوں کو طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے لیکن اپنی روایتوں سے کنارہ کر اخلاقی اقدار کو ختم کرتا جا رہا ہے۔

رتن سنگھ کا تیسرا افسانوی مجموعہ ''کاٹھ کا گھوڑا'' ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ ۳۱ افسانوں پر مشتمل ہے۔ ''کاٹھ کا گھوڑا'' بیانیہ نوعیت میں لکھی ایسی کہانی ہے جو بظاہر علامتی نوعیت کی نہیں ہے لیکن قدم قدم پر علامتی معنی پیش کرتی ہے۔ جس سے مصنف کے منفردانہ اندازِ بیاں، فنی اور تخلیقی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے ملک کے غریب اور مزدور طبقے کے لوگوں کے حالات اور دکھ درد کو مصنف نے کہانی کا موضوع بنایا ہے۔ کہانی میں جو شخص بے جان ٹھیلے کو کھینچ رہا ہے اس کی خود کی حالت بے جان اور ساکت کاٹھ کے گھوڑے جیسی ہو گئی ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں :

> ''کاٹھ کے گھوڑے میں قدم اٹھانے کی ہمت نہیں۔ وہ آگے نہیں بڑھ پا رہا۔ اور اس کے پیچھے بھیڑ میں وہ وزیر رکا ہوا ہے جسے کسی غیر ملکی وفد سے وقت مقررہ پر بات کرنا ہے، وہ ڈرائیور اٹکا ہوا ہے جسے ملک کے کسی دوسرے شہر کی طرف ریل گاڑی لے کر جانا ہے، اسکول کے وہ بچے رکے ہوئے ہیں جو کل کے مالک ہوں

گے۔ڈاکٹر،نرس،انجینئر سب کے قدم بندھ کر رہ گئے ہیں۔اور بندو کاٹھ کا گھوڑا اندھیر دیو کے بازار میں اپنے ٹھیلے کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔اس کے پاؤں میں حرکت آئے تو زندگی آگے بڑھے۔"(۴)۔

اس کہانی کے ذریعہ مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نیا کی ترقی غریب اور مزدور طبقے کی ترقی پر منحصر ہے ۔ جب تک معاشی اعتبار سے انسان برابر نہیں ہوجاتے تب تک انسانی ترقی ناممکن ہے۔دراصل یہ کہانی اس سماجی سسٹم کا خاکہ پیش کرتی ہے جس میں ہر آدمی کی رفتار کی اپنی اہمیت ہے اور کسی ایک آدمی کے رک جانے سے سارا سسٹم رک جاتا ہے۔

"پناہ گاہ" رتن سنگھ کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے جس میں کل ۵۱ افسانے ہیں اور یہ مجموعہ ۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعے میں شامل "پناہ گاہ" تصوراتی انداز میں لکھی ایسی کہانی ہیں جس میں مصنف کے تقسیم کے بعد پاکستان سے ہندوستان آنے اور اپنے مکان کے اس کمرے جس میں مصنف رہتے تھے،تصور ہی تصور میں اپنے ساتھ ہندوستان لانے اور جو پریشانی کے وقت مصنف کی پناہ گاہ ہوتی تھی کو موضوع خیال بنایا ہے۔یہ وہ کمرہ ہے جہاں انسان اور جانور ساتھ رہتے تھے اور وہ مصنف کی اپنے گاؤں،گھر،زمین،کھیت،کھلیان سے وابستگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

رتن سنگھ نے اپنے خیالات اور احساسات کو بہت ہی عمدہ اور تصوراتی انداز میں پیش کر ایک اعلیٰ فنکار اور تخلیق کار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ایک جگہ مصنف لکھتے ہیں :

"رات کو سویا تو میں اپنے کمرے میں تھا،اپنے پلنگ پر۔لیکن جب صبح جاگا تو میں نے اپنے آپ کو اس اندھیرے کمرے میں پایا جسے میں پاکستان بنتے وقت ہندوستان لایا تھا۔اس اندھیرے کمرے میں بچھے ہوئے پلنگ پر لیٹا ہوا میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ موت کی وادی سے نکل کر محفوظ جگہ پر پہنچ گیا ہوں۔رات کے آخری پہر میں میں نے بڑا ہی بھیانک سپنہ دیکھا تھا جس میں خوفناک جانور مجھ پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔سپنے میں ان بھیانک جانور وں سے بچنے کے لیے میں نے ہمیشہ کی طرح اس کمرے میں پناہ لی تھی۔"(۵)

"پناہ گاہ"،تقسیم ملک اور فسادات کے موضوع پر لکھی ایسی کہانی ہے جس میں تقسیم کے

المیہ کو بڑے درد بھرے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ انسانی رشتوں اور روایتوں کے دھیرے دھیرے ختم ہونے کو بھی غور وفکر کا مرکز بنایا ہے۔

رتن سنگھ کا پانچواں افسانوی مجموعہ ''پانی پر لکھا نام'' ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ۳۳ افسانے شامل ہیں۔ ''پانی پر لکھا نام'' مصنف کی ایسی کہانی ہے جس میں وقت کے گزرنے کو دریا کے بہاؤ سے مماثلت دے کر بیان کیا گیا ہے۔ انسان کو اپنی زندگی میں کامیابی اور کامرانی کے ساتھ ساتھ ناکامیوں اور مایوسیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے کارناموں کی بنیاد پر اپنا نام زندہ جاوید رہنے کا تصوراتی خیال کرتا ہے لیکن کبھی کبھی اسے شک وشبہ بھی رہتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے بھلا دیا جائے گا۔ جس طرح دریا کے پانی پر لکھا نام لہریں مٹا دیتی ہے اسی طرح اس کا نام بھی زمانے میں باقی نہ رہے گا۔ لیکن پھر بھی کہانی کا کردار بار بار پانی پر نام لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہی دریا کنارے بیٹھے ایک بچے کے بار بار مٹی کا گھروندا بنانے کی کوشش اسے قوت اور حوصلہ دیتی ہے۔ ایک اقتباس میں مصنف رقمطراز ہیں :

> ''اور میں اس کے پانی پر اپنا نام لکھنے کی بے سود کوشش کر رہا تھا۔ میرے حروف لکھے جانے سے پہلے ہی یوں مٹے جا رہے تھے جیسے کہتے ہوں اہم اور غیر اہم کام ماضی کا حصہ بنتے ہی پگڈنڈی پر بننے والے زندگی کے نشانوں کی طرح مسافروں کے منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی مٹ جاتے ہیں۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ اس پر چلتا ہوا کون بشر گذر گیا۔ لیکن میں تھا کہ بڑی محنت سے بڑے انہماک کے ساتھ یہ کام یوں کر رہا تھا جیسے کوشش کرتے رہنے سے مجھے کبھی نہ کبھی کامیابی مل جائے گی۔''(۶)

اس افسانے میں مصنف نے کہانی کے کردار کی بار بار پانی پر نام لکھنے کی کوشش پر توجہ خیال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انسان جو بھی کوشش کرتا ہے اس میں ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور ملتی ہے۔ کئی بار کوشش کرنے والا انسان سوچتا ہے کہ اُسے کامیابی نہیں ملے گی لیکن ایسا نہیں ہے۔

''گیارہ بجنے میں سترہ منٹ'' رتن سنگھ کا چھٹا اور آخری افسانوی مجموعہ ہے جو ۲۰۱۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے میں کل ۴۳ افسانے ہیں۔ ''گیارہ بجنے میں سترہ منٹ'' افسانے

میں مصنف نے وقت کے ٹھہراؤ کو زندگی میں پیش آنے والے تقاضوں اور دشواریوں سے مماثلت دے کر بیان کیا ہے۔ بارش ہونے کی امید لیے لوگوں کا مہاتمہ کے پاس جانا اور خالی ہاتھ لوٹنا ایسا ہے جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔ اس کی وجہ سے بھوک، بیماری اور غریبی جیسے روگ لوگوں کی امیدوں کو ختم کر دیتے ہیں۔ زندگی جب ایسے حالات سے گذرتی ہے تو سب اطراف میں وقت ٹھہرا ہوا سا لگتا ہے۔ کہانی میں مصنف نے سماجی اور معاشی تفرقہ کی بنیاد پر پیدا ہوئے انتشار اور انسانی رشتوں کے ختم ہونے کو وقت کے ٹھہراؤ سے مثال دے کر علامتی انداز میں اپنے فکر و فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں :

''میں سہمی سہمی نظروں سے دیوار کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ وقت اسی طرح گیارہ بجنے میں سترہ منٹ پر ٹھہرا ہوا ہے۔ ایسے جیسے دنیا کے کروڑوں لوگ ہزاروں سالوں سے زندگی میں پیچھے چھوٹ جانے پر دردرتا کے اندھیروں میں جکڑے پڑے ہیں۔ ان کے لیے دیوار گھڑی پر ابھی بھی گیارہ بجنے میں سترہ منٹ ہیں۔ یہ وقت آگے کو سرکے تو ان کا دکھ درد دور ہو۔''(۷)

رتن سنگھ نے اپنی ادبی زندگی کے سفر میں بیشتر افسانے لکھے ہیں اور افسانہ نگاری میں اپنی انفرادیت کی بنا پر اردو فکشن میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے افسانے ان کی ذاتی زندگی اور گزرے ہوئے لمحات کی سچی ترجمانی کرتے ہیں۔ رتن سنگھ کے افسانوں اور کہانیوں کے بارے میں ناقدین کا خیال ہے کہ وہ اداسی سے لبریز ہوتی ہے۔ ہجرت کا کرب، زندگی کی غمناکیاں اور حالات کی مجبوریوں نے ان کے قلم کو درد و غم کی سیاہی میں ڈبو دیا۔ اس لیے کہا بھی جاتا ہے کہ رتن سنگھ نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔ ان کی تحریریں، ان کے احساسات اور خیالات کی سچی ترجمان ہے۔ انہوں نے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے واقعات اور حادثات کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر محمد نعمان رتن سنگھ کی تحریروں کے متعلق لکھتے ہیں:

''رتن سنگھ سادہ زبان اور چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ چونکہ دینے والی باتیں کرنے کے ہنر سے واقف ہیں جس کے سبب ان کے افسانوں میں سچائی کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی اخیر تک قائم رہتی ہے۔ ان کے افسانے مختصر ہونے

کے باوجود معنویت اور بصیرت سے بھرپور ہیں۔ ان کی ہر کہانی ایک خاص مقصد کی حامل ہوتی ہے۔''(۸)

رتن سنگھ کے افسانوں میں اختصار و جامعیت اور مختلف موضوعات کی فراہمگی شدت سے دکھائی دیتی ہے۔ ان کے افسانوں میں حساسیت کے ساتھ ایک خاص طرح کی کشش ہوتی ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں رتن سنگھ کہتے ہیں:

''اختصار کا راستہ علامت کے بغیر ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے پہلے کے افسانہ نگاروں جیسے کرشن چندر، بیدی، منٹو، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، قرۃ العین حیدر وغیرہ نے پریم چند کے بعد کہانی اپنے ہاتھ میں لے لی اور ایک ہی جست میں انہوں نے کہانی کو عالمی معیار پر پہنچا دیا۔ ہماری نسل کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان حضرات کی موجودگی میں اپنی کوئی پہچان بنا سکے۔ اس لیے ہر شخص نے اپنی پہچان بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ اختیار کیا۔ جدیدیت میں علامتیں غیر واضح ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی کہانیاں بھی لوگوں کو سمجھ نہیں آتیں۔ میری تمام کہانیاں علامت کے سہارے آگے بڑھتی ہیں۔''(۹)

رتن سنگھ کے افسانوں میں سماجی مسائل سے متعلق موضوعات پر بڑے منصفانہ انداز میں بحث کی گئی ہیں۔ ان کی کہانیوں میں نیچریت، کلاسیکیت، نفسیات، حقیقت اور جدیدیت کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ رتن سنگھ نے اردو، ہندی، پنجابی کے علاوہ عام بول چال اور روز مرہ کی زبان کا استعمال اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ وہ افسانے کے فن کو زبان و بیان کے عمدہ استعمال سے پرکشش اور دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ رتن سنگھ نے اپنی تمام صلاحیتیں معیاری افسانے لکھنے میں صرف کی ہیں۔ فنی اعتبار سے انہوں نے اردو افسانے کو حقیقت نگاری کی جن روایات سے روشناس کرایا اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر رتن سنگھ اردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔

حواشی:

(۱)۔رتن سنگھ، بیتے ہوئے دن،اردو اکادمی، دہلی۲۰۱۳ء،ص ۲۵۶

(۲)۔رتن سنگھ، پہلی آواز،نصرت پبلشرز، دہلی،۱۹۶۹ء،ص ۱۴

(۳)۔رتن سنگھ، پنجرے کا آدمی، نامی پریس،لکھنؤ،۱۹۷۳ء،ص ۱۶

(۴)۔رتن سنگھ، کاٹھ کا گھوڑا، رگھبیر پبلشرز، جبل پور،۱۹۹۳ء،ص ۱۱

(۵)۔رتن سنگھ، پناہ گاہ،۲۰۰۰ء،ص ۱۳

(۶)۔رتن سنگھ، پانی پر لکھا نام،اردو اکادمی، دہلی ۲۰۰۸ء،ص ۱۱

(۷)۔رتن سنگھ، گیارہ بجنے میں سترہ منٹ،اردو اکادمی، دہلی،۲۰۱۸ء،ص ۱۱

(۸)۔سوونیئر،مجلس فروغ اردو ادب،قطر،۲۰۱۰ء

(۹)۔انٹرویو،راشٹریہ سہارا،نئی دہلی،۱۵/نومبر ۲۰۰۸ء، ہفتہ وار